

مکمل یقین کے انتظار کا فریب

مکمل یقین کا انتظار اُن آسان ترین طریقوں میں سے ایک ہے جن کے ذریعے انسان خود کو ایک ہی جگہ پر رکا ہوا پاتا ہے۔ دانش مندانہ فیصلے کسی ضمانت کی بنیاد پر نہیں کیے جاتے، بلکہ اخلاص، غور و فکر، مشاورت اور غیر یقینی صورتِ حال کے باوجود آگے بڑھنے کے حوصلے سے کیے جاتے ہیں۔ آپ ہر نتیجے کی پیش گوئی نہیں کر سکتے، لیکن آپ دیانت داری اور عاجزی کے ساتھ اپنا اگلا قدم ضرور منتخب کر سکتے ہیں۔ ترقی بے عیب فیصلے کرنے سے نہیں ہوتی، بلکہ اپنے ہر فیصلے سے خلوص کے ساتھ سیکھنے سے ہوتی ہے۔

”میں ایک ہی دائرے میں گھومتا جا رہا ہوں،“ میں نے اُن سے کہا۔

وہ خاموش رہے۔

”مجھ سے اطمینان کے ساتھ کوئی فیصلہ نہیں ہو پاتا۔ جب بھی مجھے لگتا ہے کہ میں کسی جواب تک پہنچ گیا ہوں، ایک اور خیال سامنے آ جاتا ہے۔“

”کس طرح کا خیال؟“ اُنہوں نے پوچھا۔

”وہی معمول کے سوال۔ اگر یہ فیصلہ غلط ہوا تو؟ اگر مجھ سے کچھ رہ گیا تو؟ اگر بعد میں مجھے پچھتاوا ہوا تو؟ اگر اس کا دوسرے لوگوں پر ایسے اثر پڑا جس کا مجھے ابھی اندازہ نہیں؟“

”پھر؟“

”پھر میں دوبارہ شروع کر دیتا ہوں۔“

میں انہی منتخب کی ہوئی ترجیحات کی طرف دوبارہ لوٹتا، انہی حقائق کا از سر نو تجزیہ کرتا اور انہی خدشات پر پھر سے غور کرتا۔ کبھی کبھی میں کسی فیصلے کو پرکھنے میں اتنا وقت صرف کر دیتا کہ مجھے یہ بھی یاد نہ رہتا کہ ابتدا میں مجھے فیصلہ کس بات کا کرنا تھا۔ میں آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ میں بس اسی دائرے میں گھوم رہا تھا، اس امید پر کہ شاید ایک بار اور سوچنے سے بالآخر یقین حاصل ہو جائے گا۔

وہ چند لمحے خاموش رہے۔ پھر اُنہوں نے پوچھا، ”اتنا سب سوچنے کے آخر میں آپ کیا تلاش کرنا چاہتے ہیں؟“

”صحیح جواب۔“

وہ ہلکا سا مسکرائے اور بولے، ”صحیح جواب یا یقین؟“

میں فوراً جواب دینا چاہتا تھا، لیکن اس کے بجائے میں رک گیا۔ کیونکہ جتنا میں اس سوال پر غور کرتا گیا، اتنا ہی مجھے احساس ہوا کہ انہوں نے ایک نہایت اہم بات کی طرف میری توجہ دلائی تھی۔

میں محض ایک اچھا فیصلہ کرنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ میں ایسا فیصلہ تلاش کر رہا تھا جس کے ساتھ ضمانت بھی ہو۔ نہ کوئی پچھتاوا۔ نہ کوئی نقصان۔ نہ کوئی ایسا غیر متوقع نتیجہ جس کا میں نے ارادہ نہ کیا ہو۔ نہ یہ امکان کہ بعد میں مجھے معلوم ہو کہ مجھے کوئی اور راستہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔

دوسرے لفظوں میں، میں زندگی سے وہ چیز مانگ رہا تھا جس کا زندگی نے کبھی وعدہ ہی نہیں کیا تھا۔

ایسا لگتا تھا جیسے انہوں نے بھانپ لیا ہو کہ میرے خیالات کس سمت جا رہے ہیں۔

”آپ فیصلوں سے ایسی توقع رکھ رہے ہیں جو فیصلوں کا مقصد ہی نہیں ہوتی،“ انہوں نے کہا۔

”کیا؟“

”یقین۔“

میں نے اُن کئی فیصلوں کے بارے میں سوچنا شروع کیا جنہیں میں نے برسوں تک مؤخر کیے رکھا تھا۔ اُن میں سے ایک میرے پیشہ ورانہ منصوبے کی سمت تبدیل کرنے سے متعلق تھا۔ کئی ماہ تک میں مختلف راستوں کے درمیان جھولتا رہا۔ میں غور و فکر، فوائد، خطرات اور متبادل منصوبوں سے متعلق نوٹ بک کے صفحات بھرتا رہا۔ جب بھی کسی نتیجے پر پہنچتا، ایک نئی صورتِ حال سامنے آجاتی جس کا جائزہ لینا ضروری محسوس ہوتا۔

شروع میں میں اسے باریک بینی اور مکمل تیاری کا نام دیتا تھا۔ اب سچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر خوف تھا۔

خراب فیصلہ کرنے کا خوف نہیں، بلکہ ایک انسانی فیصلہ کرنے کا خوف۔

کیونکہ انسانی فیصلہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ غیر یقینی اپنے اندر رکھتا ہے۔ کوئی بھی انسانی فیصلہ قطعی نہیں ہو سکتا،“ انہوں نے کہا۔

یہ بات بظاہر بالکل واضح تھی۔ لیکن جذباتی طور پر میں نے اسے کبھی قبول نہیں کیا تھا۔ میرے اندر اب بھی یہ یقین کہیں موجود تھا کہ اگر میں کافی دیر تک سوچتا رہوں، کافی معلومات جمع کر لوں اور کافی لوگوں سے مشورہ کر لوں، تو آخر کار ایک ایسا بہترین انتخاب کر لوں گا جو اتنا واضح طور پر درست ہوگا کہ تمام شکوک ختم ہو جائیں گے۔

لیکن زندگی میں میرے سامنے آنے والا ہر اہم فیصلہ اس خوش فہمی کو مسترد کرتا رہا تھا۔

وہ کرسی سے ذرا پیچھے ہوئے اور ایسی بات کہی جس کی طرف میں بعد میں بارہا لوٹا۔

فیصلوں کا تعلق یقیناً کامل سے نہیں ہے،“ انہوں نے کہا، ”ان کا تعلق اخلاص، عاجزی اور آگے بڑھنے سے ہے۔“

جو لفظ میرے ذہن میں سب سے زیادہ ٹھہرا، وہ ”حرکت“ تھا۔

کیونکہ بے چینی عموماً انسان کو آگے نہیں بڑھاتی۔ وہ تجزیہ کرتی ہے۔ بار بار ذہن میں منظر دہراتی ہے۔ پیش گوئیاں کرتی ہے۔ گزرے ہوئے امکانات کی طرف واپس لے جاتی ہے۔ انسان کو دور اپنے پر کھڑا رکھتی ہے، جہاں وہ ہر ممکن راستے کا تصور کرتا رہتا ہے لیکن کسی ایک پر قدم رکھنے سے گریز کرتا ہے۔

مجھے ایک دوست یاد آیا جو کبھی ایک ایسے موقع کے لیے شہر تبدیل کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ تقریباً ایک سال تک کرتا رہا، حالانکہ وہ موقع واقعی اسے بہت پُر جوش کر رہا تھا۔ ہر چند ہفتوں بعد اسے ایک نیا خدشہ، ایک نئی صورتِ حال یا ایک نیا خطرہ نظر آجاتا۔

آخر کار کسی نے اس سے ایک سادہ سا سوال پوچھا:

”اگر آپ کے تمام خدشات ختم ہو جائیں تو کیا آپ کل ہی منتقل ہو جائیں گے؟“

طویل خاموشی کے بعد اُس نے اعتراف کیا کہ غالباً جو خدشات پہلے دور ہو چکے ہوں گے، اُن کی جگہ کوئی اور خدشہ لے لے گا۔

مسئلہ معلومات کی کمی نہیں تھا۔ مسئلہ یہ توقع تھی کہ یقیناً کامل آخر کار خود بخود آجائے گا۔

میں اُسے سمجھ سکتا تھا، کیونکہ میں بھی اکثر ایسا ہی کرتا رہا تھا۔

”آپ کو کس طرح کے فیصلے سب سے زیادہ پریشان کرتے ہیں؟“ انہوں نے پوچھا۔

”وہ جو دوسرے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں۔“

انہوں نے سر ہلایا۔

”مزید بتائیے۔“

میں نے اپنے جواب کے بارے میں سوچا۔

”خاندانی فیصلے۔ ایسے فیصلے جن کا اثر والدین، بچوں یا اُن لوگوں پر پڑتا ہے جو مجھ پر انحصار کرتے ہیں۔ یہی سب سے مشکل ہوتے ہیں۔“

”کیونکہ آپ انہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔“

”بالکل۔“

”ایسے فیصلوں کا سامنا ہو تو آپ کیا کرتے ہیں؟“

”میں ہر ممکن نتیجے پر غور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”پھر؟“

”پھر میں ان نتائج کے ممکنہ نتائج پر بھی غور کرنے لگتا ہوں۔“

وہ دھیرے سے ہنسے اور بولے، ”تو آپ مستقبل کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔“

میں مسکرایا۔

”جب آپ اس طرح کہتے ہیں تو یہ ناممکن سا لگتا ہے۔“

”کیونکہ یہ ناممکن ہی ہے۔“

اُن کی آوازیں کوئی تنقید نہیں تھی۔ صرف وضاحت تھی۔

وہ بولتے رہے:

”جب فیصلے دوسرے لوگوں کو متاثر کریں تو انہیں بھی اس میں شامل کریں۔“

یہ بات میری توقع سے کہیں زیادہ سادہ تھی۔ میرے چہرے کے تاثرات دیکھ کر انہوں نے وضاحت کی:

”جب فیصلے دوسروں کو متاثر کرتے ہیں تو اُن کے نقطہ نظر کی اہمیت ہوتی ہے۔ اس لیے نہیں کہ اُن کے پاس یقینِ کامل ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ، وہ کچھ دیکھ سکتے ہیں جو آپ نہیں دیکھ پاتے۔“

مجھے ایک بار ایک اہم فیصلے کے دوران خاندان کے ایک فرد کے ساتھ ہونے والی گفتگو یاد آئی۔ میں اس قدر ان امکانات پر مرکوز تھا کہ کیا کچھ غلط ہو سکتا ہے کہ میں نے ایک ممکنہ فائدے کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا، جو انہیں بالکل واضح دکھائی دے رہا تھا۔

معاملہ اُن کی زیادہ دانائی کا نہیں تھا۔ وہ صرف ایک مختلف مقام پر کھڑی تھیں، اس لیے انہیں تصویر کا وہ حصہ نظر آ رہا تھا جو مجھ سے چھپ گیا تھا۔

شاید اسی لیے مشاورت اہم ہے۔

اس لیے نہیں کہ اس سے یقینِ کامل حاصل ہو جاتا ہے، بلکہ اس لیے کہ یہ ہماری نظر کا دائرہ وسیع کر دیتی ہے۔
پھر انہوں نے ایک اور بات کہی:

”ہم اللہ کی طرح پورا منظر نہیں دیکھ سکتے۔“

یہ جملہ سنتے ہی میرے اندر کی کوئی چیز جیسے نرم پڑ گئی۔

ہماری بہت سی بے چینی اس لاشعوری توقع سے جنم لیتی ہے کہ ہمیں ہر چیز دیکھنی چاہیے۔ ہر نتیجہ۔ ہر امکان۔ مستقبل کا ہر انجام۔

ہم آگے بڑھنے سے پہلے مکمل منظر دیکھ لینا چاہتے ہیں۔

لیکن کسی بھی انسان کو کبھی ایسی مکمل بصیرت حاصل نہیں ہوئی۔

حکمت یہ جاننے کا نام نہیں کہ سب کچھ معلوم ہو۔ حکمت کا آغاز اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے ہوتا ہے کہ ہم سب کچھ نہیں جان سکتے۔

میں نے ایک ایسی بات تسلیم کی جس نے مجھے اکثر پریشان کیا تھا۔

”کبھی کبھی لوگ مجھے یہ نہیں بتاتے کہ وہ حقیقت میں کیا سوچتے ہیں۔“

”آپ کا کیا مطلب ہے؟“

”وہ پورا فیصلہ مجھ پر چھوڑ دیتے ہیں۔“

وہ مسکرائے۔

”کیا آپ نے اُن سے یہ بات کہی ہے؟“

یہ سوال میرے لیے غیر متوقع تھا۔

”نہیں۔“

”کیوں نہیں؟“

مجھے یقین نہیں تھا۔

شاید میں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ اُن کی خاموشی کا مطلب ہے کہ اُن کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں۔

لیکن اُنہوں نے میری توجہ ایک ایسی بات کی طرف دلائی جس پر میں نے پہلے کبھی غور نہیں کیا تھا۔

لوگ اکثر ایسی وجوہات کی بنا پر اظہارِ خیال کرنے سے ہچکچاتے ہیں جن سے ہم واقف نہیں ہوتے۔ انہیں خوف ہو سکتا ہے کہ اگر معاملات بگڑ گئے تو الزام اُن پر آئے گا۔ وہ اختلاف سے ڈرتے ہوں گے۔ انہیں کسی کو مایوس کرنے کا خدشہ ہو سکتا ہے۔

کبھی کبھی لوگ مبہم انداز میں بات اس لیے نہیں کرتے کہ انہیں پروا نہیں ہوتی، بلکہ اس لیے کہ وہ خوف زدہ ہوتے ہیں۔

اس سے پوری گفتگو کا رخ بدل گیا۔

اب مسئلہ صرف صحیح فیصلہ کرنا نہیں تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ دیانت دارانہ گفتگو کے لیے اتنا اعتماد کیسے پیدا کیا جائے کہ لوگ کھل کر اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔

کچھ ہی دیر بعد اُنہوں نے ایسی بات کہی جو مجھے شدت سے سننے کی ضرورت تھی۔

”آپ سے غلطیاں ہوں گی۔“

اُن کی آواز میں ذرا بھی تردد نہیں تھا۔

”شاید آپ سے ہوں“ نہیں، بلکہ ”آپ سے ہوں گی۔“

شروع میں میں نے اس خیال کی مزاحمت کی۔ مجھے احساس ہوا کہ میرے فیصلہ نہ کر پانے کی کیفیت کا کتنا بڑا حصہ اس امید پر قائم تھا کہ محتاط سوچ بچار شاید مجھے غلطیوں سے مستثنیٰ کر دے گی۔

لیکن جب میں نے اپنی زندگی پر نظر ڈالی تو مجھے احساس ہوا کہ میرے لیے سب سے قیمتی اسباق میں سے بہت سے اُن فیصلوں سے ملے تھے جو منصوبے کے مطابق نہیں ہوئے تھے۔

ایک منصوبہ جس کی کامیابی کا مجھے پورا یقین تھا، مایوسی پر ختم ہوا۔ اُس وقت میں نے اسے ناکامی سمجھا تھا۔ لیکن اس تجربے نے میرے طریقہ کار کی ایسی کمزوریوں کو سامنے لا دیا جنہیں کامیابی چھپا دیتی۔

ایک اور فیصلے کی وجہ سے میری زندگی میں ایک ایسا سخت اور مشکل وقت آیا جس کا میں خود کبھی انتخاب نہ کرتا۔ لیکن اس برے وقت نے مجھے برداشت، مشکل حالات سے لڑنا اور عاجزی کا درس دیا، جو چیزیں آسان زندگی مجھے کبھی نہیں سکھا سکتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ بندے کی اندرونی بہتری اور کام کا مکمل بے عیب ہونا، یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ بہت کم ہی ملتی ہیں۔

وہ بولے:

”کچھ غلطیوں کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔“

مجھے اطمینان ہوا۔

”اور کچھ کی نہیں۔“

اس سے میرے اندر عاجزی پیدا ہوئی۔

”لیکن اگر آپ سیکھنے کے لیے تیار ہوں تو وہ غلطیاں بھی آپ کی استاد بن سکتی ہیں۔“

میں خاموش بیٹھا رہا۔

جتنا میں اس بات پر غور کرتا گیا، اتنا ہی مجھے احساس ہوا کہ میں اکثر زندگی کو ایک ایسے واحد امتحان کی طرح دیکھتا رہا تھا جس میں ایک غلط جواب پوری بازی ختم کر دیتا ہے۔

لیکن زندگی کوئی ایک امتحان نہیں۔

یہ ایک طویل سفر ہے۔

زیادہ تر فیصلے کہانی کو ہمیشہ کے لیے ختم نہیں کرتے۔ وہ خود کہانی کا حصہ بن جاتے ہیں۔

بالآخر ہماری گفتگو دوبارہ فیصلہ نہ کر پانے کی اس گہری وجہ کی طرف لوٹی۔

”وہ خیال جو عموماً لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے، بہت سادہ ہوتا ہے،“ انہوں نے کہا۔

”کون سا خیال؟“

”اگر کچھ غلط ہو گیا تو؟“

میں نے فوراً سر ہلایا۔

یہ خیال بے شمار فیصلوں میں میرے ساتھ رہا تھا۔

”یہ سوال بظاہر ذمہ دارانہ معلوم ہوتا ہے،“ انہوں نے کہا، ”لیکن جب اسے بار بار دہرایا جائے تو یہ قید بن جاتا ہے۔“

میں بالکل سمجھ گیا کہ اُن کا کیا مطلب تھا۔

ایک مقام پر پہنچ کر احتیاط حکمت کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔

وہ خوف کو تقویت دینے لگتی ہے۔

ذہن امکانات کا جائزہ لینا چھوڑ دیتا ہے اور محفوظ رہنے کو سب سے بڑی ترجیح بنا لیتا ہے۔

پھر انہوں نے ایسی بات کہی جس نے مجھے بے چینی کے بارے میں ہماری پہلے کی گفتگو یاد دلادی۔

”اپنے خیالات کے غلام نہ بنیں۔“

میں کچھ دیر اس جملے پر غور کرتا رہا۔

کیونکہ یہ بالکل وہی کیفیت بیان کرتا تھا جو مشکل فیصلوں کے دوران اکثر مجھ پر طاری ہو جاتی تھی۔

ایک خوف زدہ خیال آیا۔ پھر ایک اور۔ پھر ایک اور۔

جلد ہی میں اُن خیالات کا جائزہ لینا چھوڑ دیتا تھا۔

میں اُن کی پیروی کرنے لگتا تھا۔

انہوں نے اسے خیالات کو اپنی حدود سے باہر نکل جانے دینا قرار دیا۔

مجھے یہ بات فوراً سمجھ میں آئی اور پسند آئی۔ سچ یہ ہے کہ جب بھی ہم فکر مندی پریشان ہوتے ہیں تو اس کی شروعات کسی سچی اور جائز بات سے ہی ہوتی ہے، یعنی کوئی ایسی فکریات جو واقعی ممکن ہو۔ لیکن اس کے بعد ہمارا دماغ اس بات کو حد سے زیادہ بڑھا کر بڑا بنا دیتا ہے۔ سب سے پہلے ایک معمولی سی فکر ایک پورا فرضی قصہ بنتی ہے، پھر وہ قصہ یوں لگتا ہے جیسے واقعی ایسا ہی ہونے والا ہے، اور آخر کار ہمیں ایسا پکا یقین ہو جاتا ہے

کہ ہم جذبات میں بہہ جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم موجودہ حالات پر دھیان دینے کے بجائے ان خیالی باتوں پر پریشان ہونے اور قدم اٹھانے لگتے ہیں جو ابھی ہوئی ہی نہیں ہیں۔

”تو جب ایسا ہو تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟“ میں نے پوچھا۔

”انہوں نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ پھر بولے:

”اپنے آپ سے ایک سادہ سا سوال کریں۔“

”کیا سوال؟“

”کیا یہ خیال مجھے فیصلہ کرنے میں مدد دے رہا ہے، یا تکلیف دہ بے یقینی سے بچنے میں؟“

میں بارہا اس سوال کی طرف لوٹتا رہا۔

کیونکہ بہت سے خیالات خود کو دانائی کے بھیس میں پیش کرتے ہیں۔

حقیقت میں وہ غیر یقینی سے فرار کی کوشش ہوتے ہیں۔

جتنا میں اپنے ساتھ زیادہ دیانت دار ہوتا گیا، اتنا ہی مجھے یہ انداز زیادہ واضح نظر آنے لگا۔

میں ہمیشہ وضاحت تلاش نہیں کر رہا تھا۔

اکثر میں جذباتی تحفظ تلاش کر رہا تھا۔

میں ایسا فیصلہ چاہتا تھا جو مجھے پچھتاوے، تنقید، غیر یقینی اور تکلیف سے محفوظ رکھ سکے۔

لیکن ایسا کوئی فیصلہ موجود نہیں۔

کچھ ماہ بعد، بالآخر میں نے وہ فیصلہ کر لیا جسے میں بہت طویل عرصے سے مؤخر کرتا آ رہا تھا۔

اس لیے نہیں کہ میرے تمام سوالوں کے جواب مل گئے تھے۔

اس لیے بھی نہیں کہ یقینِ کامل آ گیا تھا۔

بلکہ اس لیے کہ میں نے قبول کر لیا تھا کہ یقینِ کامل آنے والا ہی نہیں۔

میں نے پوری احتیاط سے غور کیا تھا۔ مشورہ لیا تھا۔ ایمانداری سے دوسروں کی بات سنی تھی۔ دعا کی تھی، دستیابِ معلومات پر غور کیا تھا اور حتی الامکان اپنے محرکات کا جائزہ لیا تھا۔

اور پھر میں نے قدم بڑھا دیا۔

یہی سب سے اہم بات تھی۔

میں آگے بڑھ گیا۔

کیا فیصلہ کامل تھا؟

نہیں۔

کیا سب کچھ بالکل ویسا ہی ہوا جیسا میں نے توقع کی تھی؟

یقیناً نہیں۔

کچھ معاملات توقع سے بہتر ہوئے۔ کچھ نے ایسی مشکلات پیدا کیں جن کا میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

لیکن ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔

میں نے اس غیر یقینی کیفیت کا سامنا کر لیا۔

اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ کہ میں نے اس سے سیکھا۔

وہی وہ لمحہ تھا جب میں آخر کار سمجھ گیا کہ وہ ابتدا ہی سے مجھے کیا سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

فیصلہ سفر کا اختتام نہیں ہوتا۔

وہ سفر ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

ہم میں سے بہت سے لوگ اس لیے تکلیف اٹھاتے ہیں کہ ہم ہر انتخاب کو یوں دیکھتے ہیں جیسے اسے ہمارے مستقبل کو ہمیشہ کے لیے محفوظ بنانا ہو۔

ہم چاہتے ہیں کہ آج کا فیصلہ کل کے نتیجے کی ضمانت دے۔

لیکن زندگی اس سے کہیں زیادہ متحرک اور تغیر پذیر ہے۔

آپ سیکھتے ہیں۔ آپ خود کو حالات کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ آپ اصلاح کرتے ہیں۔ آپ نشوونما پاتے ہیں۔

پچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے مجھے جو سب سے بڑا تحفہ دیا، وہ بے عیب فیصلے کرنے کا کوئی نسخہ نہیں تھا۔

وہ اس خوش فہمی سے آزادی تھی کہ بے عیب فیصلے نام کی کوئی چیز موجود بھی ہے۔

جب یہ خوش فہمی دھندلانے لگتی ہے تو ایک اور امکان پیدا ہوتا ہے۔

آپ خلوص سے مشورہ کرتے ہیں۔

احتیاط سے غور کرتے ہیں۔

اپنی اصلاح کے لیے ذہنی طور پر تیار رہتے ہیں۔

اور پھر آگے بڑھتے ہیں، اس لیے نہیں کہ یقینِ کامل آخر کار آگیا ہے، بلکہ اس لیے کہ آپ نے یہ قبول کر لیا ہے کہ سیکھنے کی اہمیت یقینِ کامل سے کہیں زیادہ ہے۔

اور شاید حقیقی پختگی کا آغاز بھی وہیں سے ہوتا ہے:

اس وقت نہیں جب انسان کامل فیصلہ تلاش کر لیتا ہے، بلکہ اس وقت جب وہ زندگی سے ضمانتیں مانگنا چھوڑ دیتا ہے اور عاجزی، اخلاص اور اس حوصلے کے ساتھ آگے بڑھنے پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ جو کچھ بھی اگلے مرحلے میں سامنے آئے گا، وہ اس سے سیکھنے کے لیے تیار رہے گا۔